© rasailojaraid.com

مسعود جاوید ہمدانی

حاکمیت کا اسلامی تصوّر!

پاکستان میں نفاذ اسلام کی صدا قیامِ پاکستان کے ساتھ ہی بلند ہونے لگی تھی بلکہ یہ کہنا غلط نہ ہوگا۔ کہ یہ صدا ہی قیامِ پاکستان کا محرک بنی تھی غیر منقسم ہندوستان میں مسلمانوں نے اپنے لیے شروع کی تھی۔ کہ وہ متحدہ ہندوستان میں اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی کو اسلام کے عین مطابق نہیں ڈھال سکتے تھے۔ جس طرح انگریز کے دورِ تسلط میں ہندوستان کے مسلمان نجی سطح پر ایک محدود دائرے میں اسلام کی تعمیل کر رہے تھے۔! اور آج بھی بھارت اور دوسرے ملکوں میں، جہاں وہ اقلیت میں ہیں۔ ایسے ہی محدود دائرے میں حسبِ توفیق اسلام کی تعمیل کر رہے ہیں۔ اگر برِّ صغیر تقسیم نہ ہوتا تو بھی یہ محدود عمل جاری رہتا۔ برِّ صغیر کے مسلمانوں نے اگر علیحدہ وطن حاصل کرنے کا نعرہ لگایا۔ اور ان کے عظیم قائد نے اس کو اسلام کا بنیادی تقاضا قرار دیا۔ تو اس کا صاف مطلب یہ تھا۔ کہ وہ اسلام کو نجی معاملے تک محدود نہیں رکھنا چاہتے تھے۔ بلکہ وہ معاشرت، معیشت اور سیاست کے جملہ شعبوں میں اسلام کی کارفرمائی چاہتے تھے۔ ان کی یہ سوچ محض انسانی خواہش کا نتیجہ نہ تھی۔ بلکہ انہیں بجا طور پر احساس تھا۔ کہ یہ ان کے دین کا حکم ہے کہ وہ اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی کو مکمل طور پر اسلام کی متابعت میں لے آئیں۔

یہ اس فکر کی حقانیت کی تاثیر ہی تھی کہ پاکستان معرضِ وجود میں آگیا۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر برِّ صغیر کے مسلمان پاکستان کا مطلب کیا! لا الٰہ الاّ اللّٰہ کا نعرہ حق بلند نہ کرتے تو ان کے پاس علیحدہ وطن کے مطالبے کا کوئی جواز ہی نہ تھا۔ اگر وہ مغربی اندازِ جمہوریت کے مقبول اور مسلّمہ "اصولِ اکثریت" کو تسلیم کر لیتے تو برِّ صغیر میں ہندوؤں کی اکثریت کے ہوتے ہوئے مسلمانوں کے لیے علیحدہ وطن حاصل کرنا ممکن ہی نہ ہوتا۔ علامہ اقبالؒ نے اپنے سیاسی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اجتہاد کے ذریعے دو قومی نظریہ پیش کر کے درحقیقت جمہوریت کے اس اساسی "اصول اکثریت" پر ہی ضرب لگائی تھی۔ دو قومی نظریئے نے جہاں برصغیر کے مسلمانوں کے لیے علیحدہ وطن کے حصول کی جدوجہد کی ایک فطری اساس مہیا کر دی۔ وہاں جمہوریت کے مغربی تصوّرات کا ابطال بھی کر دیا۔ دو قومی نظریہ جمہوریت کے مغربی نظریات پر ایک کاری وار تھا۔ پھر ہمیں یہ بھی جان لینا چاہیئے۔ کہ برصغیر کے سیاسی مسائل کے پس منظر میں دو قومی نظریہ اگرچہ ایک اچھوتا نظریہ تھا۔ لیکن یہ کوئی نئی فکر نہ تھی۔ بلکہ یہ قرآن ہی کے اس قولِ فیصل کا عکس تھا۔ کہ دنیا میں دو انسانی گروہ ہیں۔ جن میں سے ایک حزب اللہ ہے۔ یا پھر یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث اقدس کی جانب اشارہ تھا۔ کہ کفر ایک ملت ہے اور اسلام ایک ملت۔ یہ تخصص یا امتیاز اسی صورت میں قائم ہو سکتا تھا کہ برصغیر کے مسلمان اس نظریئے کو مسترد کر دیتے جو متحدہ قومیت کو جنم دیتا تھا۔ یا متحدہ قومیت کے باطل تصوّر کی پاسبانی کر سکتا تھا۔ علامہ اقبالؒ کا برصغیر کے مسلمانوں پر بڑا احسان ہے۔ کہ انہوں نے اپنے وقت کے ایک غالب سیاسی نظریئے کا ابطال کر کے مسلمانوں کو حق کی راہ دکھائی۔ ان کی یہ کوشش درحقیقت مسلمانوں کی اجتماعی زندگی میں اسلام کے تصوّر سیاست کو اجاگر کرنے اور اس کا اعتراف کرانے کی بھی کاوش تھی۔

قیام پاکستان کے بعد تحریک حصول، پاکستان کے محرک نظریئے یعنی اسلام کے عین مطابق معاشرت، معیشت اور سیاست کے ادارے قائم ہونے چاہئیں تھے۔! گو ہم فطری طور پر اسلام ہی کو اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی کا مطلوب و مقصود اور نصب العین قرار دیتے رہے ہیں لیکن ہمیں یہ اعتراف کرنے میں کوئی تامل نہیں ہونا چاہیئے۔ کہ اپنے واضح نصب العین کے باوجود ہم نے ان تینوں شعبوں میں اسلامی فکر سے راہنمائی حاصل کرنے کی بجائے اجنبی نظریات اور رجحانات کی پیروی کو ہی ترجیح دی۔ اور ہم اسلام کے بتائے ہوئے راستے پر چلنے کی بجائے اجنبی بلکہ اسلام کے برعکس اور متضاد راہوں پر چل نکلے۔ اس کا نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ ہماری زندگی اغیار کی تقلید کی علامت بن کر رہ گئی۔ ہم نے جس تشخص کو بحال کرنے بلکہ مستحکم بنانے کے لیے پاکستان حاصل کیا تھا۔ وہ پہلے سے بھی ماند پڑ گیا۔ اس میں زیادہ قصور ہمارے حکمرانوں کا تھا۔ جنہوں نے قائداعظمؒ کے اس واضح فرمان کے باوجود کہ اسلام کے اصول آج بھی اسی طرح قابلِ عمل ہیں۔ جس طرح!

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ساڑھے تیرہ سو سال قبل تھے مغربی طرز معاشرت، کو خود اختیار کر کے اسے عام لوگوں کے لیے قابلِ قبول بنا دیا۔ جنہوں نے معیشت کی بنیاد سود کی نفی کی بجائے مغرب کے اقتصادی نظریات کے عین مطابق سود پر استوار کی۔ جنہوں نے سیاست میں خلافت کے اسلامی تصوّر کو اُجاگر کرنے کی بجائے مغرب کے ایجاد کردہ جمہوری تصوّرات کو فروغ دیا۔

اگر حکومتی سطح پر یہ سارے ڈھانچے مغربی یا غیر اسلامی فکر و تصوّرات پر اٹھائے جا رہے تھے تو عام لوگ ان کے اثرات اور نتائج سے کس طرح بے تعلق رہ سکتے تھے تاہم یہ بات کسی حد تک اطمینان بخش ہے کہ پاکستان کے مسلمان عوام کی غالب اکثریت ذہنی طور پر اسلام سے ہی وابستہ رہی ہے اور اس کا ہر دور میں یہی مطالبہ رہا ہے کہ پاکستان کو خالصتاً ایک اسلامی مملکت بنایا جائے۔

معاشرت کسی قوم کے رہن سہن اور افراد قوم کے باہمی تعلقات کی عکاس ہوتی ہے۔ رہن سہن اور باہمی تعلقات اسی وقت عدل کی حدود میں رہ سکتے ہیں۔ جبکہ حقوق و فرائض کا تعین ہو۔ جس معاشرہ میں حقوق و فرائض کا تعین نہ ہوگا۔ وہ معاشرہ سلامتی سے عاری ہوگا۔ کیونکہ ہر شخص اپنی خواہشات کی پیروی کرنا چاہے گا۔ اور اس طرح دوسروں کا استحصال کرنے کے مواقع تلاش کرے گا۔ دوسرے لفظوں میں ہر نظریۂ حیات، حقوق و فرائض کی حدود وضع کرتا اور افراد معاشرہ کے حقوق و فرائض کی ضامن ہوتی ہے۔ اس سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ ایک مخصوص طرزِ معاشرت وجود میں لانے کے لیے ایک مخصوص معیشت ضروری ہے پھر ان دونوں شعبوں کی مطلوبہ کارکردگی کو یقینی بنانے کے لیے مخصوص ہیئت حاکمہ یا سیاسی ڈھانچے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اگر سیاسی ڈھانچہ پہلے دو شعبوں سے مطابقت نہ رکھتا ہو تو نتائج متغیر ہوں گے۔ الغرض معاشرت، معیشت اور سیاست کے مابین ایک ایسا باہمی ربط ہے۔ جسے توڑا نہیں جا سکتا۔ اسلام ہی وہ واحد نظریۂ حیات ہے جس نے معاشرت معیشت اور سیاست کے باہمی ربط کو اس طور پر قائم کیا ہے کہ تینوں شعبے ایک اکائی میں باہم مدغم ہو گئے ہیں اور یہ اکائی ہی سلامتی اور فلاح کی ضمانت مہیا کرتی ہے۔ اگر ہم اسلامی معاشرت کو وجود میں لانا چاہتے ہیں تو ہمیں اسلامی اصولِ معیشت اختیار کرنا ہوں گے اور اس کا فطری تقاضا یہ ہوگا کہ ہیئت حاکمہ ہی دراصل اسلام کے اصول کے مطابق معاشرت کے ڈھانچے تیار کر سکتی اور ان کا تحفظ کر سکتی ہے۔ ان تینوں شعبوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے لیے اصولوں کا سرچشمہ وہ عقائد ہیں۔ جن کے لسانی اقرار اور قلبی تصدیق کے بغیر نہ فرد مسلمان ہو سکتا ہے۔ نہ اسلامی معاشرہ یا ریاست وجود میں لائی جا سکتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ جب ہم زندگی کے کسی بھی شعبے کے بارے میں غور کریں یا ان شعبوں کو بنیادی اصولوں کو جانچیں تو ہمارا معیار وہ بنیادی اسلامی عقاید بننے چاہییں، جن کا لسانی اقرار اور قلبی تصدیق مسلمان ہونے کی اوّلین شرط ہے۔

آج پاکستان میں حاکمیت کے بارے میں مباحث جاری ہیں۔ یہ مباحث بجائے خود اس امر کی دلیل ہیں کہ ہم نے حاکمیت کے اس تصور ہی کو ابھی تک اختیار نہیں کیا۔ جس کی نشاندہی اسلام کرتا ہے۔ قیامِ پاکستان کے بعد اگر ہم نے سیاست کے بارے میں مغربی نظریہ جمہوریت نہ اپنا لیا ہوتا۔ تو آج ان مباحث کا کوئی جواز موجود نہ ہوتا۔ مغربی نظریہ جمہوریت نے عوام کی حاکمیت کا تصور دیا ہے اور اس تصور کے ہی تحت عوام کی نمائندگی کا نعرہ بلند کیا جاتا ہے۔ اس نظریۂ کی گذشتہ تیس برسوں کے دوران میں اس قدر تشہیر ہوئی ہے کہ ہم نے اسے ایک عقیدہ بنا لیا ہے۔ حالانکہ یہ نظریۂ اسلام کے بنیادی عقیدے کے ہی خلاف ہے۔ اسلام نے سب سے زیادہ زور توحید پر دیا ہے اور توحید یہ ہے کہ ہم انسانوں کا تمام مخلوقات کا ساری کائنات کا خالق و مالک اللہ ہے اور وہی حقیقی حاکم ہے اس میں اس کا کوئی شریک نہیں۔ سب سے بڑا شریک ہی یہ ہے کہ اس کی حاکمیت میں کسی انسان یا کسی ادارے کو شریک کیا جائے۔ چنانچہ وہ سارے تصوراتِ معاشرت و معیشت اور سیاست شرک کے زمرے میں آ جاتے ہیں۔ جو اس بنیادی عقیدے کے ماتحت نہیں آتے یا اس سے مطابقت نہیں رکھتے۔ مغرب کے نام نہاد سیاسی دانشوروں نے "حاکمیت" کے وصف کو عوام سے وابستہ کر کے یا حاکمیت کا منبع عوام کو قرار دے کر حقیقت میں شرک کا ہی ارتکاب کیا ہے۔ اسلام جس کا مقصد ہی شرک کا خاتمہ ہے۔ عوام کی حاکمیت کا تصور پیش نہیں کرتا۔ لیکن کیا یہ المیہ نہیں کہ ہمارے سیاستدانوں نے مغرب کی تقلید میں اس باطل نظریئے کو سیاست کی بنیاد بنا لیا۔ حالانکہ توحید کا تقاضا تو یہ تھا۔ کہ اس باطل نظریئے کا ابطال کیا جاتا۔ اب جو لوگ عوامی حاکمیت کے نظریئے کے اسیر ہیں اور یہ نعرہ بلند کرتے ہیں۔ در حقیقت وہ توحید کے تقاضوں کی نفی کر رہے ہوتے ہیں۔ عوامی حاکمیت کے تصور کے تحت ہی عوامی نمائندگی کے تقاضے بیان کیے جاتے ہیں۔ حالانکہ

© rasailojaraid.com